ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
etitor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.5,Issue No.2(2023)
(July to September)

اُردو اور پنجابی عشقیہ منظوم داستانوں کا تقابلی جائزہ: ہیر رانجھا کے خصوصی تناظر میں

A Comparative Analysis of Urdu and Punjabi Ishqiya Manzoum Dastans: In the Special Context of Heer Ranjha

ڈاکٹر صائمہ علی

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، ایجوکیشن یونیورسٹی، لوئر مال کیمپس، لاہور

ڈاکٹر راحیلہ کوثر

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، منہاج یونیورسٹی، لاہور

Dr. Saima Ali

Associate Professor,Department of Urdu, Educations University,Lower Mall Campus.Lahore

Dr. Rahila Kousar

Assistant Professor,Department of Urdu, Minhaj University, Lahore

Abstract:

The evolution of Urdu poetry came under the influence of Persian culture and language, from which it got many benefits in the beginning and it set the stages of evolution very quickly, but for a long time this unnecessary imitation limited the horizons of Urdu poetry. The poet also borrowed the linguistic, cultural and geographical landscape from Iran, which deprived Urdu poetry of its natural local color and beauty. If we look at the Ishqiya tradition, Laila Mujno and Shireen Farhad are considered similes and allusions for Urdu poets. Incidentally, the description of Wasal in Heer Waris Shah is brief, but the mention of gender is common in the narrative style. Especially in his similes, the earthy and unsubtle aspect of sex is prominent. However, the female characters of the story are courageous and instead of suffering and suppressing under the influence of traditional shame and modesty of women, they are active on every front for their rights.Waris Shah has summed up the culture of Punjab in this story.

Keywords: evolution, imitation, Urdu poetry, Ishqiya tradition, prominent, modesty, Dargah

اُردو شاعری کا ارتقاء فارسی تہذیب و زبان کے زیر اثر ہوا جس سے اسے ابتدا میں بہت فوائد حاصل ہوئے اور اس نے بہت جلد ارتقا کے مدارج طے کئے لیکن طویل عرصے تک اس غیر ضروری تقلید نے اُردو شاعری کے افق کو محدود کیا۔ شعرا نے لسانی، تہذیبی اور جغرافیائی منظر نامہ بھی ایران سے مستعار لیا جس سے اُردو شاعری فطری مقامی رنگ و حسن سے محروم ہوئی۔ عشقیہ روایت پر نظر ڈالیں تو اُردو شعرا کے لیے لیلیٰ مجنوں اور شیریں فرہاد ہی تشبیہ اور تلمیح قرار پائے۔ حالانکہ ہندوستان کی مقامی عشقیہ داستانیں خصوصاً پنجاب میں ہیر رانجھا، سوہنی مہینوال، مرزا صاحباں عشق کے باب میں علامت کی حیثیت رکھتی ہیں لیکن عجیب بات ہے کہ اُردو شعرا کی نظریں عرب کے ریگ زاروں اور ایران کے مرغزاروں تک تو پہنچیں لیکن پنجاب کے عشقیہ قصے انہیں متوجہ نہ کر سکے۔ اس رویئے کی تہ میں ایک طرف تو اُردو شعرا کی عجم پسندی کو دخل تھا تو دوسری طرف اہل دہلی و لکھنو اُردو زبان کے معاملے میں خود کو برتر اور دوسروں کو کمتر سمجھنا بھی شامل ہے۔ یہ احساس جنوبی ہند کے معاملے میں ع اک بات لچر سی بزبان دکنی تھی اور

پنجاب کے معاملے میں ع اک خطہ پنجاب ہے معلوم نہیں کیوں کی صورت میں سامنے آیا۔ ہماری کلاسیکی شاعری دہلی اور لکھنو میں پروان چڑھی جہاں کے شعرا کو پنجاب کی یہ بیش قیمت داستانیں متاثر نہ کر سکیں۔ علی عباس جلالپوری اس رویے کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''پنجابی اور اردو میں ماں بیٹی کا رشتہ ہے لیکن مقام حیرت ہے کہ اُردُو کے کسی شاعر نے ہیر رانجھے کی عشقیہ داستان کو درِ خور اعتنا نہیں سمجھا حالانکہ وہ اس سے بخوبی واقف تھے۔ اُردُو شاعر اور قصہ نویس ہندوستان میں بیٹھ کر شام، عرب، مصر، ایران، چین، فرنگ کی داستانیں لکھتے رہے لیکن پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کی ولولہ انگیز عشقیہ کہانیوں کی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔''(۱)

اس اعتراض کا جواب دینے والے سب سے پہلے ان مثنویوں کا ذکر کرتے ہیں جو ہندوستانی قصوں سے ماخوذ ہیں۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے اس موضوع پر کتاب لکھی جس میں پنجاب کی داستانوں سے ماخوذ مثنویوں کی تفصیل ملتی ہے۔ اس میں اُردُو کے علاوہ فارسی مثنویوں کا بھی ذکر ہے لیکن کسی قصے کو مثنوی کا روپ دینا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ قصہ وسیع پیمانے پر اپنایا گیا ہے۔ مثنوی میں قصہ بنیادی شرط ہوتا ہے چنانچہ مثنوی نگاروں نے قصوں کی تلاش میں عرب و عجم کے علاوہ ہندوستان کے مقامی قصوں کو بھی شرفِ انتخاب بخشا۔ ہیر رانجھا، سوہنی مہینوال، مرزا صاحباں کے علاوہ چندر بدن و مہیار، نل و دمن جیسے مقامی قصوں پر بھی مثنویاں لکھی گئیں جن کی شہرت بطور قصہ بہت کم ہے۔ کلاسیکی عہد میں اردو مثنوی میں طلسماتی فضا ملتی ہے لیکن بعد میں یہ انداز تبدیل ہوا۔ ڈاکٹر گیان چند جین اس کی توجیہہ میں لکھتے ہیں:

> ''حالی اور آزاد کے بعد جنوں پریوں کی کہانیاں ختم ہوئیں۔ سائنس کے مطالعے سے لوگوں کی ذہنیت بدل رہی تھی۔ دیو، پری اور سحر کے لغویات سے علم بے اعتقادی ہو گئی تھی تعقُّل کی خیرہ کن روشنی کے سامنے دیو پری اور ساحر بھک سے اڑ گئے۔ معلوم ہوا کچھ بھی نہ تھا۔ جدید مثنوی میں فوق فطری موضوعات یک قلم مسترد کر دیئے گئے۔''(۲)

اس دور کے بعد حقیقی قصوں کو مثنوی کی بنیاد بنایا گیا تو پنجابی عشقیہ قصوں پر اُردُو مثنوی لکھنے کا رجحان بھی شروع ہوا۔ عجمی کی نسبت پنجابی قصے حقیقت کے قریب ہوتے ہیں ان میں مافوق الفطرت عناصر بہت کم ہیں۔ اُردُو مثنویوں کی طرح ان میں بھی ہیر و کو غیبی مدد ملی ہے مثلاً ہیر وارث شاہ میں رانجھے کی مدد کے لیے پانچ پیر سامنے آتے ہیں لیکن ان کی مدد محیر العقول نوعیت کی نہیں ہوتی۔ پانچ پیروں کو ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ، مہابھارت کے پانچ پانڈوں سے ملاتے ہیں۔(۳) جبکہ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ انہیں ''پانچ مُلتانی پیر'' تسلیم کرتے ہیں۔(۴) متن کا مطالعہ کریں تو ایک ہی بند میں یہ پانچوں نام مل جاتے ہیں۔

خواجہ خضر تے شکر گنج بوز گھوڑی ملتان دا زکریا پیر نوری
ہور سید جلال بخاریا سی اتے لعل شہباز بہشت حوری
طرہ خضر، رومال شکر گنج دتا اتے مندرا لعل شہباز نوری
خنجر سید جلال بخاریئے نے کھونڈی ذکریے پیر نے ہک بوری (۵)

اس بند کے مطابق پانچ پیر یہ ہیں:

حضرت خضر علیہ السلام، بابا فرید گنج شکر، حضرت بہاء الدین زکریا، سید جلال الدین بخاری اور لعل شہباز قلندر۔ پانچ پیر مصیبت میں رانجھے کی مدد کرتے ہیں لیکن یہ مدد اُردو مثنویوں کے نقاب پوش بزرگ کی کرامت کے مقابلے میں بہت کم ہوتی ہے۔ پانچ

پیروں کا کردار رانجھے کے لیے تائید غیبی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رانجھے کا عمل حق اور سچ ہے۔ وارث شاہ ہیر رانجھے کے وصیلہ جذبات کے ترفع کے لیے بھی پانچ پیروں کا سہارا لیتے ہیں۔ علی عباس جلالپوری اس بارے میں لکھتے ہیں:

> ''پنچ پیروں کی توجیہہ اس نقطۂ نظر سے کی جائے تو ہیر اور رانجھا ان کا نام اپنی جنسی مواصلت کے جواز کے لیے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگرچہ ہم سے تقصیر ہوئی ہے لیکن پنج پیروں نے ہمارا یہ قصور معاف کر دیا ہے۔''(۶)

کسی مخصوص خطے کی شاعری کی اصل خوبی وہاں کی تہذیب کی عکاسی ہے جس میں پنجابی شعرا سرخرو ہوئے ہیں خصوصاً ''ہیر وارث شاہ'' پنجابی معاشرے کی چلتی پھرتی تصویر ہے۔ اس میں پنجاب کے عوام زبان، تہوار، موسم، رسمیں، لباس، خوراک، پھل، پھول، جنگل، دریا غرض ہر شعبۂ زندگی کی عکاسی ملتی ہے۔ ڈاکٹر شائستہ نزہت پنجابی کی اس خصوصیت کے متعلق لکھتی ہیں:

> ''پنجابی ادب میں معاشرہ کی جامع اور صحیح عکاسی کی جاتی ہے۔ اس ادب کے سانچے خالص دیسی ہیں۔ اس کی روایات، بیان، محاورے، تشبیہیں، استعارے، مانوس اور معروف حقائق پر مبنی ہیں حالانکہ یہ وہی علاقہ ہے جس میں فارسی زبان و ادب کی سب سے پہلے یورش ہوئی لیکن پنجابی شاعر اور ادیب فارسی کی اِن ادبی خصوصیات کو نہیں اپنا تا جس کا رشتہ وہ اپنے ماحول سے مربوط نہیں کر سکتا۔ مثال کے طور پر وہ عمومی حیثیت سے فارسی کے تتبع میں پنجاب میں کمیاب اور نایاب بلبل و سمن کی بات نہیں کرتا اور ضرورت کے وقت کاگ چکور، چنبے کو کام میں لاتا ہے۔''(۷)

پنجابی قصہ گو فارسی مثنوی کی روایت کو سامنے رکھتے ہیں۔ وارث شاہ نے قصے کی ابتدا حمد و نعت سے کی ہے بلکہ اس کے ساتھ نعت چہار یار، مدح پیران پیر قدس اور مدح بابا فرید گنج شکر کا اضافہ بھی کیا ہے، چونکہ اس وقت علمی زبان فارسی تھی۔ اس لیے پنجابی میں لکھے جانے کے باوجود وارث شاہ نے بندوں کے عنوانات فارسی میں دیئے ہیں مثلاً:

۱۔ طلبیدن قاضی رابرائے تقسیم زمین
۲۔ جنگ کردن کھیڑیاں بادشاہ مراد
۳۔ دعا کردن، ہیر وجوگی در حق راجہ
۴۔ دربیان قبول کردن فرمائش یاراں یکدن
۵۔ پیغام دادن جوگی قولاں راں بطرف ہیر

پنجابی شعرا نے فارسی مثنوی کی فنی و فکری خوبیوں سے استفادہ کر کے ان قصوں کو دلچسپ بنایا لیکن یہیں تک محدود ہو کے نہیں رہ گئے۔ حمید اللہ ہاشمی کے مطابق:

> ''پنجابی داستانیں کافی حد تک مثنوی سے متاثر ہیں لیکن بالکل مثنوی نہیں ہیں۔ ان داستانوں کی بحر بھی مختلف ہے اور انداز بھی۔''(۸)

ہاشمی صاحب کی یہ رائے بہت اہم ہے کہ پنجابی شاعروں نے فارسی سے متاثر ہونے کے باوجود فارسی روایت کی غیر ضروری تقلید نہیں کی۔ انہوں نے اپنی تہذیب کو پرائی تہذیب سے نہیں بدلا۔ یہی وجہ ہے کہ ان قصّوں کی تلمیحات پر مقامی رنگ غالب ہے۔ جس سے پنجاب کی موثر عکاسی ہوتی ہے، مثلاً ہیر وارث شاہ کا یہ بند دیکھیے:

دند چنبے دی کلی کہ ہنس موتی دانے نکلے حسن انار وچّوں
لکھی چین تصویر کشمیر جٹی قد سرو بہشت گلزار وچّوں
گردن کُونج دی انگلیاں روانہہ پھلیاں ہتھ کولڑے برگ چنار وچّوں
شاہ پری دی بھین پنج پھول رانی گجھی رہے نہ ہیر ہزار وچّوں(۹)

ان اشعار کو پڑھ کر فوراً اندازہ ہو جاتا ہے کہ شاعر ہندوستان کی عورت کا سراپا لکھ رہا ہے۔ وہ محبوب کے حسن کے لیے تشبیہات اور تلمیحات اپنی زمین سے ہی لیتا ہے۔ دند چنبے دی کلی، تصویر کشمیر جٹی، گردن کونج دی، انگلیاں روانہہ پھلیاں، پنج پھول رانی جیسی تشبیہات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وارث شاہ نے پنجابی بت پنجاب کی مٹی سے ہی بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پنجابی جیسی عوامی زبان میں ہونے کے باوجود فارسی جیسی علمی زبان میں یہ قصہ اُردُو سے بھی پہلے لکھا گیا جبکہ اردو شعرا فارسی محبوب کا سراپا فارسی الفاظ کے ذریعے ادا کرتے رہے۔

عشق کا موضوع بیان کرنے کے لے یہ ضروری نہیں کہ شاعر خود بھی عشق کے مرحلے سے گزرا ہو لیکن اگر ایسا ہو تو عشق کا بیان دو آتشہ ہو جاتا ہے اردو میں مومن ایسے شاعر ہیں جن کی شاعری عشق مجازی کے گرد گھومتی ہے اور وہ اسی حوالے سے اُردُو کے اہم شعرا میں شامل ہوتے ہیں اس کے بیان میں ان کے عشق کو بہت دخل ہے جو انہیں "صاحب" نامی خاتون سے ہوا۔ میر تقی میر کا عشق ان کی شاعری خصوصاً مثنویوں کی شان بڑھاتا ہے۔ اسی طرح "ہیر کی تصنیف کا محرک وارث کے اپنے عشق کی داستان کو سمجھا جاتا ہے جو اسے ٹھٹھہ جاہد کی رہنے والی ایک بلوچ حسینہ بھاگ بھری سے تھا۔"(۱۰) شاید یہ اس عشق کی تاثیر ہے کہ متعدد شاعروں کے لکھے جانے کے باجود آج بھی ہیر وارث شاہ کے نام سے جانی جاتی ہے۔ وارث شاہ کا ہیر پر استحقاق نہ صرف دیگر شعرا سے زیادہ ہے بلکہ کبھی کبھی تو ہیر رانجھے سے بھی زیادہ وارث شاہ کی محسوس ہوتی ہے اس خیال کو دائود رہبر نے یوں بیان کیا ہے:

شاعر نے لو اس سے لگا کر چھینا اس کو رانجھے سے
اس کے سخن میں رچ کے ہو گئی وارث شاہ کی ہیر اپنی (۱۱)

فارسی کی تقلید میں معاملے میں پنجابی اور اردو شاعروں کا معاملہ بقول شاعر: ع یہی تو ہے فرق مجھ میں اس میں گزر گیا میں ٹھہر گیا وہ" والا ہے۔ عشقیہ قصوں میں جذبات نگاری، محبوب کا سراپا، وصل کا بیان عام ملتا ہے، فارسی اور اردو مثنویاں بھی اس سے خالی نہیں۔ مولانا روم کی مثنوی جسے "ہست قرآں در زبان پہلوی" کہا جاتا ہے، میں بھی کہیں کہیں ایسے پہلو ملتے ہیں جنہیں فحاشی سے تعبیر کیا جاتا ہے مثلاً (حکایت کنیز ک و خر) اردو مثنویوں میں عاشق و معشوق جذبات کی رو میں مذہبی، معاشرتی اور اخلاقی حدود کی پروا نہیں کرتے۔ اس بے باکی کا اثر کم کرنے کے لیے ایک حربہ اکثر مثنوی نگاروں کے ہاں ملتا ہے کہ عشق حقیقی کی سرحدیں عشق مجازی سے ملا دی جاتی ہیں اور تصوف کے اثر سے جنسی رنگ کو مدھم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس میں خصوصیت سے مثنوی "خواب و خیال" شامل ہے جو میر درد کے چھوٹے بھائی میر اثر نے لکھی۔ اس میں جنس کے باک بیان کو خواجہ میر درد نے سخت ناپسند کیا۔ بڑے بھائی کی ناپسندیدگی کے بعد میر اثر نے مثنوی کی ابتدا اور آخر میں معرفت کے اشعار شامل کیے۔ اسی طرح مرزا شوق کی مثنویوں میں بھی یہ رویہ نظر آتا ہے۔ گیان چند جین کی رائے ہے:

"میرا اثر "خواب وخیال" میں ساری غلاظت اچھالنے کے بعد خدا سے لو لگاتے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ نواب مرزا شوق نے اپنی سب سے بدنام مثنوی بہار عشق کے دوسرے ایڈیشن میں ترغیب عشق حقیقی کے عنوان پر خاتمہ کیا۔"(۱۲)

اس اصول پر دیکھیں تو ہیر وارث شاہ میں بھی ایسے مقامات آتے ہیں۔ ہیر رانجھا وصل کے مراحل طے کرنے کے باوجود اپنی محبت کو پاکیزہ قرار دیتے ہیں۔ "پنج پیروں" کی تائید کے علاوہ اپنے عشق کے گواہوں میں وہ اللہ نبی اور فرشتوں کو بھی شامل کرتے ہیں۔ سیدے سے نکاح کے وقت ہیر کہتی ہے کہ اس کا نکاح خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھایا تھا۔ اللہ تعالیٰ وکیل اور چار عظیم فرشتے نکاح کے گواہ تھے:

قالو بلی وے دینہہ نکاح بدھا روح نبی وی آپ پڑھایا ای
قطب ہو وکیل وچ آ بیٹھا حکم رب نے آن کرایا ای
جبرائیل میکائیل گواہ چارے عزرائیل اسرافیل آیا ای
اگلا توڑ کے ہور نکاح پڑھنا آکھ رب نے کدوں فرمایا ای (۱۳)

ہیر وارث شاہ میں واقعاتی طور پر وصل کا بیان مختصر ہے لیکن بیانیہ انداز میں جنس کا ذکر عام ہے۔ خصوصاً اُن کی تشبیہات میں جنس کا زمینی اور غیر لطیف پہلو نمایاں ہے۔ البتہ قصّے کے نسوانی کردار جرأت مند ہیں اور عورتوں کی روایتی شرم وحیا کے زیر اثر سہمنے اور دبنے کے بجائے اپنے حق کے لیے ہر محاذ پر متحرک نظر آتے ہیں۔ ہیر اور سسی اس کی بہترین مثال ہیں جو محبوب کی چاہت اور آرزو کا اظہار کھلے عام کرتی ہیں۔ مرزا شوق کی ہیروئین کی طرح درگاہ جانے کے بہانے محبوب سے ملاقات کو نہیں جاتی۔ وارث شاہ نے ہیر میں جا بجا مذہبی حوالے دیئے ہیں اور عشق کو کوئی سفلی جذبہ نہیں بلکہ انسانی عظمت کا زینہ بتایا ہے۔ تصوف میں شریعت اور طریقت کے مباحث کو وارث شاہ نے پورے قصّے میں بیان کیا ہے کہیں رانجھا مسجد کے مُلا کو اس کا فرق سمجھاتا ہے اور کہیں ہیر نکاح کے وقت قاضی سے اس پر بحث کرتی ہیں کہ دین صرف رسوم اور ظاہر داری کا نام نہیں خدا اگر دل میں نہیں ہے تو ریاکاری سے نہیں مل سکتا۔ وارث شاہ کہتے ہیں :

جہیڑے اک دے نانو تے محو ہوئے منظور خدا دے راہ دے نیں
جہناں صدق یقین تحقیق کیتا مقبول درگاہ الہ دے نیں
جیہڑے رشوتاں کھائیکے حق روڑھن اوہ چور چکڑے راہ دے نیں
ایہہ قرآن مجید دے معنے نیں جہیڑے شعر میں وارث شاہ دے نیں(۱۴)

پنجابی شعرا نے مقامیت اور معاصرت کے حسن کو بڑی مہارت سے شاعری میں استعمال کیا جبکہ اردو شعرا نے نگارانِ عجم کے سامنے حسن بسنتی کو ہیچ سمجھا۔ نازک اندام محبوب کے مقابلے میں پنجاب کی جٹی کو نظر انداز کیا۔ صحرائے عرب کے مقابلے میں تھل کے ریگ زار کو اہمیت نہ دی۔ انہیں موتیے سے زیادہ لالہ، کوئل سے زیادہ بلبل، برسات سے زیادہ بہار، جہلم سے زیادہ جیحوں، عزیز رہے۔ اس رویئے نے مقامیت کو عیب سمجھا۔ اہل عجم کا جھکاؤ حقیقت سے زیادہ تخیل کی طرف تھا۔ یہی انداز اردو شاعری میں بھی آیا کہ حقیقت کو استعارے کے پردے بیان کیا جائے۔ اس نسبت سے اپنے اردگرد کی زندگی شاعری میں بیان کرنا مستحسن نہ سمجھا گیا جبکہ پنجابی عشقیہ قصوں کی بڑی کامیابی معاشرت کی عکاسی ہے۔ ڈاکٹر انجم رحمانی کے مطابق:

"اس کہانی کا محور گائوں، کھیت دریا اور وادیاں ہیں۔ اسی بنا پر ہیر رانجھا کی کہانی نے پنجاب کے علاقے میں ایک قومی روایت کی سی مقبولیت حاصل کر لی ہے۔ اٹھارویں صدی کی پنجابی زبان میں دیہاتی پنجاب کی زندگی کو وارث شاہ نے ایسے کہانی میں سمویا ہے کہ اس کا مزاج آج بھی ویسا ہی تازہ ہے۔"(۱۵)

پنجاب ہندوستان کا بہت اہم حصہ ہے۔ یہاں مختلف مذاہب، قوموں نسلوں کے لوگ آباد ہیں لیکن ہندوستان کے دوسرے علاقوں کی نسبت یہاں طویل عرصے تک ہندو مسلم سِکھ مل جل کر رہے ہیں۔ ان کے اتحاد اور محبت کا اظہار پنجابی زبان کے ذریعے بھی ہوتا ہے۔ پنجابی عشقیہ قصے بھی اس وصف سے معمور ہیں۔ یہ قِصّہ زبانی طور پر عوامی حافظے میں محفوظ تھا۔ سب سے پہلے اسے فارسی زبان میں باقی کولابی نے مثنوی کی صورت لکھا جس کا تعلق افغانستان سے تھا۔ عہد اکبری میں وہ ۱۵۷۹ء میں معصوم خان کابلی کی بغاوت میں مارا گیا۔ (۱۶) یقیناً یہ مثنوی اس سے پہلے لکھی گئی۔ پنجابی زبان میں اس کے اولین خالق ہندو شاعر دمودر داس (۱۴۸۶۔۱۵۶۸) مانے جاتے ہیں۔ دمودر شاعری میں جابجا اس واقعے کو "اکھیں ڈٹھا" یعنی آنکھوں دیکھا لکھتے ہیں۔ ان کے مطابق وہ ہیر کے والد چوچک اور والدہ کندی کو جانتے تھے، جنہوں نے اس کی مدد کی اور گائوں میں دکان کھلوا کر دی۔ (۱۷) محققین دمودر کی اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ ہیر اکبر کے زمانے سے تعلق رکھتی ہے "اگر ہیر اکبر کے زمانے میں زندہ ہوتی تو اس وقت کے صوفی بزرگ شاہ حسین ہیر کو اپنی کافیوں میں بطور علامت استعمال نہ کرتے کیونکہ علامت بننے میں کافی عرصہ لگتا ہے پھر اس زمانے میں اشاعت کا کوئی خاص انتظام نہ تھا۔"(۱۸)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عہد اکبری میں یہ قصہ اتنا مشہور ہو چکا تھا کہ فارسی زبان میں لکھا گیا اس کے بعد اسے متعدد شاعروں نے فارسی اور پنجابی میں لکھا۔ پنجابی میں یہ قصہ صرف "ہیر" کہلاتا ہے جس کے ساتھ اس کے شاعر کا نام لکھا جاتا ہے۔ چند پنجابی شعرا کے نام یہ ہیں:

۱۔ ہیر احمد گجر	۱۶۸۴ء
۲۔ ہیر گورو داس	۱۷۰۷ء
۳۔ ہیر چراغ اعوان	۱۷۱۰ء
۴۔ ہیر مقبل	۱۷۴۷ء
۵۔ ہیر وارث شاہ	۱۷۶۶ء

فرانسیسی زبان میں اس کا ترجمہ گارساں دتاسی نے ۱۸۵۷ء میں کیا انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ Charles Fredreck Sabooren (1874-1919) نے کیا۔ اردو شعر و سخن میں ہیر رانجھا سے اخذ و اکتساب بہت تاخیر سے شروع ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

(۱) منشی مول چند نے "مثنوی ہیر رانجھا" ۱۸۱۳ء میں لکھی۔

(۲) مولوی کرم الٰہی نے "قصہ ہیر رانجھا" ۱۹۰۵ء میں لکھا۔

(۳) عبدالغفور قیس نے اسے "آبلہ حرارت عشق" کے نام سے ۱۹۰۹ء میں طبع کرایا۔

(۴) رفیق خاور نے ہیر رانجھا کا منظوم ترجمہ ۱۹۶۲ء میں کیا۔

(۵) عبدالوحید مجاہد یکتا نے اس کا منظوم ترجمہ ۱۹۶۹ء میں کیا۔

(۶)　شاہد حسین زیدی نے ہیر کا منظوم ترجمہ ۲۰۰۴ میں کیا۔

(۷)　اسیر عابد نے ہیر کا منظوم ترجمہ ۲۰۰۸ میں کیا۔

ہیر نویسوں کے ناموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں مسلمانوں کے علاوہ ہندو بھی شامل ہیں۔ اس لیے ہیر رانجھا میں ہندی تہذیب و زبان کے اثرات بھی ملتے ہیں مثلاً دمودر کے ہاں سہتی کے عاشق کا نام "رامو برہمن" تھا جسے احمد گجر نے مراد بلوچ سے بدل دیا۔(۱۹) بعد کے شعرا نے بھی اسی روایت کو قائم رکھا۔ اس معمولی ترمیم کے علاوہ قصے کے مرکزی کردار مسلمان ہیں لیکن ہندی تہذیب کا اثر متن میں ملتا ہے مثلاً ہیر کی شادی کے موقع پر کھیڑے برہمن سے تاریخ نکلواتے ہیں حالانکہ وہ مسلمان ہیں رانجھا ہندو جوگی بالناتھ کا شاگرد بن کر جوگ لیتا ہے اس کے علاوہ وارث شاہ نے قصے میں جابجا ہندی تشبیہات اور تلمیحات کا ذکر کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وارث شاہ نے ہیر لکھتے ہوئے صرف مسلم معاشرے کو سامنے نہیں رکھا بلکہ پنجاب کے اس معاشرے کی عکاسی کی جہاں ہندو مسلم صدیوں سے مل کر رہ رہے تھے۔ ہندو مت کے متعلق وارث شاہ کا مطالعہ بہت گہرا ہے۔ علی عباس جلال پوری اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> "ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ انہیں کم از کم گیتا، ویشنو پران اور یوگ وشا پر پورا پورا عبور حاصل تھا۔ وارث شاہ نے ایک وجودی صوفی کی حیثیت سے یوگ اور ویدانت کا مطالعہ کیا تھا اس لیے وہ نہایت اعتماد سے اور پوری بصیرت سے ان کا ذکر کرتے ہیں۔"(۲۰)

ہیر انجھا میں رانجھا کے جوگ کے علاوہ اُس کی وبجھلی کی مماثلت مقبول ہندو اوتار کرشن کی بانسری سے ہوتی ہے۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے مطابق "دمودر نے ہندو ہونے کی وجہ سے ہر جگہ رانجھا کو کرشن کی طرح بنسی ہاتھ میں لیے کارفرما دکھایا ہے۔"(۲۱)

انگریز مصنف Charles swynnerton کے مطابق:

The Hero Ranjha piping down the valleys, like Mir Shikari in the legends of Rasalu, or the god Krishna in Hindu mythology".(۲۲)

فارسی اور ہندی روایت میں ایک اہم فرق یہ ہے کہ فارسی شاعری میں محبوب ظالم، بے وفا، سنگ دل اور مغرور ہوتا ہے۔ عاشق کی محبت کا جواب نہیں دیتا جبکہ مقامی ہندی روایت میں عاشق مرد نہیں عورت ہوتی ہے۔ اظہار عشق بھی اس کی جانب سے ہوتا ہے جو ایک طرف تو محبوب کے قدموں میں جان دینے کو تیار رہتی ہے دوسری طرف عشق میں آنے والی ہر مصیبت کا سامنا کرنے کی جرأت رکھتی ہے۔ فارسی عشقیہ روایت میں عورت کی حیثیت عشق کے سفر میں منزل کی ہوتی ہے اور مرد عاشق ساری تکالیف اٹھاتا ہے۔ یہ انداز غزل میں ملتا ہے اردو مثنویوں میں نسوانی کردار زیادہ ہمت اور جرأت دکھاتے ہیں۔ سحر البیان میں شہزادہ بے نظیر بے عمل ہے جبکہ نجم النسا بے باک اور با عمل ہے۔ گلزار نسیم میں تاج الملوک مشکلات کے حل کے لئے حمالہ اور دوسری خواتین سے مرد کا خواہاں ہے۔ یہی انداز رانجھے کے کردار میں بھی ملتا ہے جو اپنے بھائیوں سے اپنا حق نہیں لے سکتا۔ ہیر کے گھر والوں کی خدمت کرنے اور وعدے کے باوجود ہیر کو حاصل کرنے کے لئے ہمت نہیں کرتا۔ ہیر کو لے جانے کے لئے اُسے سہتی کی مدد درکار ہوتی ہے۔ جب رانجھا ایک کمرے میں بند ہوتا ہے تو "پنج پیروں" کے دیئے ہوئے تبرکات کے باوجود کمرے کی دیوار گرانے کے لئے بہائو الدین زکریا تشریف لاتے ہیں۔ رانجھا اُردو مثنویوں کے ہیرو کی طرح بالکل بے عمل نہیں لیکن یہاں بھی ہیر رانجھے کی راہبر نظر آتی ہے۔ ہیر

رانجھے کے عشق میں گرفتار ہونے کے بعد تدبیر سے اُسے اپنے گھر میں رکھنے کا انتظام کرتی ہے۔ عین نکاح کے وقت جبری شادی سے انکار کرتی ہے اور قاضی سے شرعی حوالوں سے بحث کرتی ہے۔ شادی کے بعد شوہر کو اپنے قریب نہیں آنے دیتی۔ رانجھے سے ملنے کے لیے سہیلی کے ہاتھ اُسے پیغام بھجواتی ہے رانجھے کی نسبت وہ مشکل میں مایوسی کے بجائے ہمت سے کام لیتی ہے۔ قصے میں وہ رانجھے کی راہبر کی صورت نظر آتی ہے۔ وارث شاہ سے بہت پہلے شاہ حسین کی شاعری میں بھی ہیر طالب اور رانجھا مطلوب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر شائستہ نزہت لکھتی ہیں:

> ''پنجابی شاعروں نے رانجھے اور پنوں کو محبوب مطلق کی علامت قرار دیا اور سسی اور ہیر روح کی علامتیں بن گئیں جو اپنے مبداء میں واصل ہونے کے لیے ہر وقت بے قرار رہتی ہیں۔''(۲۳)

اسی نسبت سے ہیر وارث شاہ میں نسوانی رنگ نمایاں ہے۔ عذرا وقار اس پہلو کے متعلق لکھتی ہیں:

> ''جب مرد بادشاہ ظالم ہوں، قتل عام ہو رہے ہوں، ظلم حد سے بڑھ جائے، بادشاہ کے کارندے رانجھے کے بھائی بن کر اس سے زرخیز زمین چھین کر اسے بنجر زمین دے دیں، تو رانجھے کو مجبوراً ہیر کی تلاش میں نکلنا پڑتا ہے اور وارث شاہ کو مجبوراً زندگی کی باگ دوڑ ہیر کے ہاتھ میں دینا پڑتی ہے۔''(۲۴)

وارث شاہ نے اس قصے میں پنجاب کے تمدن کو سمیٹ دیا ہے۔ پنجاب کے سیاسی عروج وزوال کا ذکر ہو یا ذات برادری کا چوپال میں بیٹھے کسانوں کی بات ہو یا الھڑ مٹیاروں کی، شادی بیاہ کی رسمیں ہوں یا پیری فقیری کے عقائد وارث شاہ نے ہیر میں پنجاب کی سچی تصویر کشی کی ہے اس لیے اسے پنجاب کا انسائیکلوپیڈیا بھی کہا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے پنجابی زبان کو وہ علمی درجہ حاصل نہیں جو عربی فارسی یا کسی حد تک اردو کو حاصل ہے اس لیے اس خزانے تک بہت کم لوگوں کی رسائی ہوئی۔ وارث شاہ کے استاد حافظ غلام مرتضیٰ قصوری نے ''ہیر'' سن کر بجا فرمایا تھا:

''تم منجھ کی رسی میں موتی پرو لائے ہو۔''(۲۵) یہی وجہ ہے کہ اردو شاعری میں اس کے اثرات بہت کم نظر آتے ہیں۔ اُردو میں اس عظیم الشان داستان پر چند اشعار کہے گئے:

؎ مشتاق ہوں تجھ لب کی فصاحت کا ولیکن
رانجھے کے نصیبوں میں کہاں ہیر کی آواز(۲۶)

(سراج اورنگ آبادی)

؎ کہانی ایک سنائی جو ہیر رانجھے کی
تو اہلِ درد کو پنجابیوں نے لوٹ لیا(۲۷)

(انشاءاللہ خان انشا)

؎ ٹیڑھی ہے وہ تو چوڑی پھر، ہیر کی ہری ہے
سیدھی ہے گر تو یاروں رانجھے کی بانسری ہے(۲۸)

(نظیر اکبر آبادی)

اردو شعرا نے وارث شاہ کی ہیر رانجھا کو اعلانیہ نہیں سراہا لیکن اس سے استفادے کی مثالیں اردو میں مل جاتی ہیں مثلاً میر حسن ''سحر البیان'' کی تعریف میں کہتے ہیں:

نہیں مثنوی ہے یہ اک پھلجڑی　　مسلسل ہے موتی کی گویا لڑی (۲۹)

وارث شاہ نے کہا تھا:

ایسا شعر کیتا پُر مغز موزوں جہی موتیاں لڑی شاہوار دی سی (۳۰)

وارث شاہ نے پنجابی زبان میں ہیر ایسا بے مثال شاہکار لکھا۔ اس لیے اس کی رسائی علمی حلقوں میں اس طور نہیں ہو سکی جو اس کا حق تھا۔ وارث شاہ کو پنجاب کا شیکسپیئر اور سعدی شیرازی کہا جاتا ہے۔ سر عبد القادر اس تقابل کے متعلق کہتے ہیں:

ترجمہ: ''پنجاب میں شیکسپیئر یا سعدی سے تقابل کا حقدار وارث شاہ سے زیادہ کوئی اور نہیں کیونکہ انہوں نے پنجابی جیسی محدود وار خام زبان میں یہ کارنامہ پیش کیا ہے جو ان شاعروں نے انگریزی زبان کی وسعت اور فارسی کی شیرینی کے ساتھ بیان کیا۔ ان کے مطابق وارث شاہ کی ہیر میں اتنے محاورے، ضرب الامثال ہیں کہ ان کی مدد سے پنجابی زبان کی ''کتاب الامثال'' تیار ہو سکتی ہے۔''(۳۱)

سر عبد القادر کی رائے کے پس منظر میں وارث شاہ کا یہ کہنا بجا معلوم ہوتا ہے

ع　　وارث شاہ میاں لوکاں کملیاں نوں قصّہ جوڑ ہشیار سنایا ای (۳۲)

اس بحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُردو شعرا کے مقابلے میں پنجابی شعرا نے فارسی زبان سے استفادے کے باوجود اپنی زمین اپنی تہذیب سے رشتہ برقرار رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہیر رانجھا اور دوسرے عشقیہ قصوں کے روپ میں پنجاب کی تہذیب آج بھی زندہ ہے جبکہ اُردو شعرا کے ہاں ہندوستان کی تہذیب ڈھونڈنے میں بہت دشواری ہوتی ہے۔ پنجابی شاعری اس معاملے میں سرخرو ہے کہ اُسے تقلیدی شاعری کا الزام نہیں سہنا پڑا۔ عشقیہ قصوں کے بیان کے ساتھ پنجاب کی حقیقی اور موثر عکاسی اس کی اہمیت میں اضافہ کرتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ علی عباس جلال پوری، مقامات وارث شاہ، لاہور، تخلیقات، ۲۰۱۳ء، ص ۲۰۰

۲۔ ڈاکٹر گیان چند جین، اردو مثنوی شمالی ہند میں، نئی دہلی: انجمن ترقی اُردو ہند، ۱۹۸۷ء)، ص ۱۴۶

۳۔ ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ، لاہور، اورینٹل کالج میگزین ۱۹۳۰ء، ص ۹۴

۴۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، اردو مثنویاں، دہلی، جامعہ نگر ۱۹۶۲ء، ص ۱۱۵

۵۔ شیخ اکرم (مترجم) ہیر وارث شاہ، لاہور، بک ہوم، ۲۰۰۶، ص ۶۹

۶۔ علی عباس جلال پوری، مقامات وارث شاہ، لاہور: تخلیقات، ۲۰۱۳، ص ۱۰۴

۷۔ ڈاکٹر شائستہ نزہت، عمرانیات وارث شاہ، لاہور جمہوری پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۸۷

۸۔ حمید اللہ ہاشمی، مختصر تاریخ زبان وادب پنجابی، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۹ء، ص ۱۰۳

۹۔ شیخ اکرم (مترجم) ہیر وارث شاہ، ص ۴۷

۱۰۔ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر، ہیر وارث شاہ، لاہور، تخلیقات، ۲۰۱۲ء، ص ۳۳

۱۱۔ دائودر ہبر، باقیات دائودر ہبر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء، ص ۲۱۴

۱۲۔ ڈاکٹر گیان چند جین، اردو مثنوی شمالی ہند میں، نئی، دہلی، انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۸۷ء ص ۱۵۷

۱۳۔ شیخ اکرم (مترجم) ہیر وارث شاہ، ص ۱۸۲

۱۴۔ ہیر وارث شاہ، ص ۱۵۸

۱۵۔ ڈاکٹر انجم رحمانی، پنجاب، لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۳۵۲

۱۶۔ گوپی چند نارنگ، اُردو مثنویاں، ص ۱۱۷

۱۷۔ میاں مولا بخش کشتہ امرتسری، پنجابی شاعراں دا تذکرہ، لاہور: عزیز پبلشرز، ۱۹۹۸ء، ص ۱۵۸

۱۸۔ جاوید گھنجیرا، عظیم پنجابی شاعر، لاہور، پنجند اکیڈمی، ۱۹۹۷ء، ص ۸۵

۱۹۔ سید سبط الحسن ضیغم، مرتب: ہیر احمد گجر، اسلام آباد، لوک ورثہ، ۱۹۹۴ء، ص ۸

۲۰۔ علی عباس جلال پوری، مقامات وارث شاہ، ص ۱۹۰

۲۱- ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، اُردو مثنویاں، ص ۱۱۶

۲۲۔ Charles Swynnerton, Romantic tales from the Punjab (London: Archibald constable & Co, 1908) Page XXIII.

۲۳۔ ڈاکٹر شائستہ نزہت، عمرانیات وارث شاہ، ص ۳۱۵

۲۴۔ عذرا وقار، مضمون "ہیر وارث شاہ میں نسوانی عنصر" مشمولہ تصوف کی پنجابی روایت، لاہور: نگارشات ۱۹۹۵ء، ص ۱۰۲

۲۵۔ سراج اورنگ آبادی، سراج سخن مرتب: عبد القادر سروری، حیدرآباد دکن: اعظم اسٹیم پریس، ۱۹۳۶ء، ص ۶۲

۲۶۔ ڈاکٹر سید اختر حسین جعفری، داستان پنجابی زبان و ادب، لاہور، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۱۳ء، ص ۲۰۴

۲۷۔ انشا اللہ خاں انشا، کلیات انشا، مرتب خلیل الرحمان دائودی، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۹ء، ص ۵۹

۲۸۔ نظیر اکبر آبادی، کلیات نظیر، لاہور، مکتبہ شعر و ادب، س۔ن، ۵۲۵

۲۹۔ میر حسن، سحر البیان، مدون رشید حسن خاں، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۹ء، ص ۲۶۹

۳۰۔ شیخ اکرم (مترجم) ہیر وارث شاہ، ص ۵۸۶

۳۱۔ سر عبد القادر، مضمون وارث شاہ دا ادبی مقام مشمولہ، لاہور: اکتوبر نومبر ۱۹۶۹ء، ص ۱۱۴

۳۲۔ شیخ اکرم (مترجم) ہیر وارث شاہ، ص ۵۸۲

References in Roman Script:

1. Ali Abbas Jalal Puri, Maqamt -e -Waris Shah, Lahore, Takhalikat, 2013, p. 200
2. Dr. Gian Chand Jain, Urdu Masnavi in Shumali Hind Mien, Nai Delhi: Anjuman Praghi Urdu Hind, 1987), p.146
3. Dr. Mohan Singh Diwana, Lahore, Oriental College Magazine, 1930, p. 94
4. Dr. Gopi chand Narang, Urdu Masnavian, Delhi, Jamia Nagar 1962, p. 115
5. Sheikh Akram (Mutrajm) Heer Waris Shah, Lahore, Book Home, 2006, p. 69
6. Ali Abbas Jalal Puri, Maqamt -e -Waris Shah, Lahore: Creations, 2013, p. 104
7. Dr. Shaista Nuzhat, Imraniat Waris Shah, Lahore Jamhoori Publications, 2006, p. 78
8. Hameedullah Hashmi,Mukhtasir Tareekh Zuban-o-Adab Punjabi, Islamabad, Moqtadra Qaumi Language, 2009, p. 103
9. Sheikh Akram (Mutrajm) Heer Waris Shah, p. 47
10. Dr. Faqir Muhammad Faqir, Heer Waris Shah, Lahore,Takhliqat, 2012, p. 33
11. Dawood Rahbar, Baqiat-e-Dawood Rahbar, Lahore: Sangmail Publications, 2007, p. 214
12. Dr. Gian Chand Jain, Urdu Masnavi in Shumali Hind Mien, New Delhi, Anjuman Taraqi Urdu Hind, 1987, p. 157
13. Sheikh Akram (Mutrajm) Heer Waris Shah, p. 182
14. Heer Waris Shah, p. 158
15. Dr. Anjum Rahmani, Punjab, Lahore, Al-Faisal Publishers and Tajran Books, L ahore, 1998, p. 352
16. Gopichand Narang, Urdu Masnavi, p. 117
17. Mian Maula Bakhsh Kishta Amritsari, Punjabi Shairaan da tazkira, Lahore: Aziz Publishers, 1998, p. 158
18. Javed Ghanjira, Azeem Punjabi Shair, Lahore, Panjand Academy, 1997, p. 85
19. Syed Sabatul Hasan Zaigham,(Muratab),Heer Ahmad Gujar, Islamabad, Lok Wartha, 1994, p. 8
20. Ali Abbas Jalal Puri, Maqamt -e -Waris Shah, p. 190
21. Dr. Gopi chand Narang, Urdu Masnavian, p. 116
22. Charles Swynnerton, Romantic tales from the Punjab (London: Archibald constable & Co, 1908) Page XXIII.

23. Dr. Shaista Nuzhat,Imraniat Waris Shah, p. 315
24. Ezra Waqar, Mazmoon "Heer Waris Shah Mien Niswani Anasir" including Punjabi Tradition of Sufism, Lahore, Nigarish 1995, p. 102
25. Siraj Aurangabadi, Siraj Sakhn (Muratab): Abdul Qadir Sarwari, Hyderabad Deccan: Azam Steam Press, 1936, p. 62
26. Dr. Syed Akhtar Hussain Jafari,Dabistan-e-Punjabi Zuban-o-Adab, Lahore, Institute of Islamic Culture, 2013, p. 204
27. Insha Allah Khan Insha, Kaliat Insha, Muratab by Khilur Rehman Dawoodi, Lahore: Majlis Taraqi Udab, 1969, p. 59
28. Nazir Akbarabadi, Kaliat-e-Nazir, Lahore, School of Poetry and Literature, S.N., 525
29. Mir Hasan, Sahar-Ul-Bayan, Madoon Rasheed Hasan Khan, Lahore, Majlis Taraqi Adab, 2009, p. 269
30. Sheikh Akram (Mutrajam) Heer Waris Shah, p. 586
31. Sir Abdul Qadir, Mazmoon Waris Shah Da Adbi Muqam,Mashmola, Lahore: October November 1969, p. 114
32. Sheikh Akram (Translator) Heer Waris Shah, p. 582